شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی

میری علمی ومطالعاتی زندگی

شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ جو میرے لئے حقیقی چچا سے بڑھ کر ہیں، آنجناب کی خدمت میں والد گرامی کی طرف سے ایک علمی سوالنامہ بھیجا گیا تھا جس کا آپ نے تفصیلی جواب ارسال فرمایا ہے، ان شاء اللہ قارئین ''الحق'' اور طلبائے کرام کیلئے یہ ایک بڑی اہم علمی سوغات ثابت ہوگی۔ ماہنامہ ''الحق'' کیلئے حضرت مدظلہ کی خصوصی تحریر بھیجنے کے لئے ہم سب صمیم قلب سے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کی درازئ عمر وصحتیابی اور مزید علمی ودینی خدمات کے لئے دعا گو ہیں.....(مدیر)

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الكريم، وعلى اله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين

أما بعد! پچھلے دنوں مجھے اپنے مطالعے کے تجربات سے متعلق دو سوالنامے موصول ہوئے، جن میں سے ایک سوالنامہ برادر گرامی قدر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب کی طرف سے تھا، اس قسم کا ایک سوالنامہ وہ ماہنامہ ''الحق'' کی طرف سے کئی سال پہلے بھی مختلف اہل علم اور اہل قلم کے پاس بھیج چکے ہیں اور ان کے جوابات بھی ''الحق'' میں شائع ہوتے رہے، اسی قسم کا ایک سوالنامہ دوبارہ نئے اہل قلم کے پاس بھیجا گیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ میں کیا؟ اور میرا مطالعہ کیا؟ اس قسم کے سوالناموں کا مفید جواب دینے کے لئے جو علم وفضل اور وسیع اور عمیق نگاہ ہونی چاہیے اس سے اپنے آپ کو تہی دامن پاتا ہوں، اس لئے مدت سے یہ سوالنامے میرے پاس اس حیرت کے عالم میں رکھے ہیں کہ ان کا کیا جواب دوں.....

نہ گلم، نہ یاسمینم، نہ درخت سایہ درام ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کارکشت مارا

دوسری طرف پے درپے مصروفیات اور اسفار نے بھی ان سوالات کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں دیا، اب جبکہ میں ایک علالت سے الحمدللہ روبہ صحت ہوں اور صرف ہلکے پھلکے کام ہی کرسکتا ہوں، خیال

شیخ الحدیث ونائب مہتمم جامعہ دارالعلوم کراچی

آیا کہ ان دو فرمائشوں کو اپنی بساط کی حد تک پورا کرنے کی کوشش کروں۔ سوالناموں کا نمبروار جواب تو مجھے اب بھی مشکل معلوم ہو رہا ہے لیکن.....

دریں کتاب پریشاں نہ بینی ارترتیب عجب مدار کہ چوں حال من پریشان است

میں نے جب سے آنکھ کھولی اپنے گھر کے ایک بڑے حصے کو کتابوں کی الماریوں سے بھرا ہوا دیکھا، میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کتابوں کو اپنی سب سے بڑی پونجی سمجھا کرتے تھے، قلیل آمدنی کے باوجود اس کا اچھا خاصہ حصہ کتابوں کی خریداری پر صرف فرماتے اور جب ہندوستان سے پاکستان کی طرف ہجرت کی تو اپنا گھربار وغیرہ سب چھوڑ کر آئے، لیکن کتابوں کا ذخیرہ جتنا ساتھ لاسکتے تھے وہ ساتھ لائے اور جو ساتھ نہ آسکا اسے منگوانے کیلئے ہر طرح کی کوششیں فرمائیں، یہاں تک کہ وہ سارا پاکستان منتقل ہوگیا۔ یہاں تک کہ حضرت والد صاحبؒ کے مکان میں علمی اور دینی کتابوں کا اتنا ذخیرہ ہوگیا تھا کہ حضرت شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ بعض اوقات کسی مسئلے کی تحقیق اور کتابوں سے رجوع کے لئے حضرت والد صاحبؒ کے پاس آیا کرتے تھے۔

اپنے چاروں طرف کتابیں تو نظر آتی تھیں اور حضرت والد ماجدؒ کا ان کے ساتھ شغف بھی روزانہ دیکھتا تھا، اور اس کی بناء پر کتابوں سے انجانی سی محبت بھی معلوم ہوتی تھی، اور ان میں سے کئی کتابوں کے نام بار بار دیکھ کر یاد ہوگئے تھے۔ لیکن ان کے مضامین کی معرفت اور ان سے استفادہ اپنی پہنچ سے باہر تھا، خاص طور پر حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحبؒ کی وسعتِ مطالعہ ان کے ہر درس سے جھلکتی تھی، انہوں نے رفتہ رفتہ کتب بینی کا شوق پیدا کیا اور کبھی کبھی کسی کتاب کی طرف رہنمائی فرما کر اس کے مطالعے کا حکم دیتے، شروع میں یہ مطالعہ سیرت طیبہ اور صحابہ کرامؓ کے حالات کی حد تک تھا، پھر جوں جوں درس نظامی کی تعلیم آگے بڑھتی گئی، رفتہ رفتہ دوسری علمی کتابوں کو بھی دیکھنے کا شوق پیدا ہوا، حضرت مفتی ولی حسن صاحبؒ کے پاس حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحبؒ بکثرت تشریف لایا کرتے تھے، اور جب دونوں جمع ہوتے تو ان کا موضوع گفتگو زیادہ تر مختلف کتابوں اور ان کے مولفین کا تذکرہ ہوتا تھا، اس سے رفتہ رفتہ یہ جستجو پیدا ہوئی کہ حضرت والد صاحبؒ نے گھر میں کتابوں کا جو ذخیرہ رکھا ہوا تھا اس سے راہ ورسم پیدا کی جائے۔

چنانچہ جب میں جب چودہ پندرہ سال کی عمر میں تھا، اس وقت میرا یہ محبوب مشغلہ ہوگیا کہ چھٹی کے دنوں میں میں نے حضرت والد صاحبؒ کی کتابوں کو الٹ پلٹ کر دیکھنا شروع کیا، اور جس ترتیب سے الماری میں کتابیں رکھی ہوئی تھیں، اسی ترتیب سے کتابوں کو کھول کر دیکھتا اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ کتاب کا مصنف کون ہے، کس موضوع پر وہ لکھی گئی ہے، اور اسکی فہرست مضامین پر بھی نظر ڈالتا اور فہرست

مضامین میں جو موضوع دلچسپ نظر آتا اسکو اپنی بساط کی حد تک پڑھنے کی بھی کوشش کرتا۔ یہاں تک کہ گھر کے کتب خانے کے ساتھ بھی کیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ آئندہ جب کسی مسئلے کی معلومات حاصل کرنے کی ضرورت پیش آتی تو خود سے یاد آجاتا تھا کہ یہ مسئلہ کس کتاب میں دیکھنا چاہیے۔

بچپن ہی سے اپنے گھر میں ماحول اور اساتذہ کرام کی تعلیم وتربیت کے نتیجے میں مجھے شعر وادب سے بھی خصوصی مناسبت ہوگئی تھی۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ملک اور بیرون ملک سے بہت سے رسائل وجرائد آیا کرتے تھے۔ تقریباوہ سب اپنی دلچسپی کی حد تک نظر سے گزرتے تھے۔ ادب و انشاء کے شوق ہی کی بناء پر میں نے اس دور کے مشہور اہل قلم کی کتابیں بھی ذوق وشوق سے پڑھیں، جن میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ مولانا ابو الکلام آزاد کی "غبار خاطر" بڑے ذوق وشوق سے پڑھی۔ ادب و انشاء کا یہ شوق مجھے بلالحاظ مسلک ومشرب ہر قسم کے اہل قلم کی تحریریں پڑھنے کی طرف لے گیا۔ الحمدللہ اپنے والد ماجدؒ اور اساتذہ کرام کی تربیت کے نتیجہ میں کسی غلط نظریے سے تأثر تو کبھی پیدا نہیں ہوا، لیکن اسلوب نگارش کے حوالے سے میں نے ہر طرح کے مصنفین سے استفادہ کیا، خاص طور پر مغربی افکار ونظریات کو سمجھنے اور اس پر تنقید کے سلسلے میں مجھے جو کتاب بھی نظر آتی اس سے بقدر ضرورت استفادہ کرتا تھا۔ اسی ذیل میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی بیشتر کتابیں بھی مطالعہ میں آئیں۔ بہت سے مسائل میں اختلاف کے باوجود ادب و انشاء کے لحاظ سے انکا اسلوب تحریر میں کونسی باتیں ایسی ہیں جن سے ایک معتدل تحریر کو پرہیز کرنا چاہئے۔

یہ سب رسمی طالبعلمی کے زمانے کے سے متعلق تھا۔ جب تدریس وتالیف کی عملی زندگی میں قدم رکھا تو زیادہ تر مطالعہ اپنی زیر تدریس کتابوں اور زیر تالیف مضامین کی حد تک محدود ہوگیا۔ لیکن تدریس کے دوران بھی طبعیت کچھ ایسی رہی کہ جو مضمون یا کتاب پڑھانی ہوتی اس کے جملہ متعلقات اپنے پاس جمع کر کے رکھتا تھا، اور انکے مطالعہ میں خاصا وقت صرف کرتا تھا۔ البتہ اُس میں سے طلبہ کو صرف اتنی بات بیان کرنے کیلئے منتخب کرتا جو انکی ذہنی سطح اور ضرورت کے مطابق ہو۔ چنانچہ جب عربی نحو پڑھانے کا وقت آیا تو اسکی معروف ومتداول شروح کے علاوہ موضوع کی دوسری اہم کتابیں بھی سامنے رکھا کرتا تھا۔ کسی کتاب کے شروع میں عام طور سے مقدمۃ العلم کے طور پر کچھ مباحث بیان کرنے کا دستور شروع سے چلا آتا ہے۔ جب مجھے عربی نحو کی اعلیٰ کتابیں شرح جامی وغیرہ پڑھانے کی نوبت آئی تو مجھے یاد آیا کہ حضرت والد صاحبؒ کی

کتابوں میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی ایک کتاب" الافتراح فی اصول النحو" میں نے اپنی کتابوں کی جستجو کے زمانہ میں دیکھی تھی ،چنانچہ میں نے اسکے مباحث کا خلاصہ مقدمۃ العلم کے طور پر بیان کیا، جو خود میرے لئے مفید ثابت ہوا۔اسی طرح عربی ادب پڑھاتے وقت وہ چار کتابیں جنھیں ادب کے ارکان اربعہ کہا جاتا ہے،یعنی "ادب الکاتب ؛لابن قتیبہ،البیان والتبین : للجاحظ،"الکامل للمبرد "اور "الآمالی" لابی علی القالی "ان میں سے آمالی تو مجھے میسر نہ آسکی ،لیکن باقی تین کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا۔

بیرونی اسفار کے دوران میرے اوقات کا ایک بڑا حصہ وہاں کے کتب خانوں کی سیر کا ہوتا تھا۔اس جستجو میں ایسے کتب خانوں کا جائزہ بھی لینے کی کوشش کی جنھیں عرف عام میں کباڑی کہا جاتا ہے،اور بعض اوقات میں نے کئی کئی گھنٹے بوسیدہ کتابوں کی چھان بین میں گزارے، یہاں تک کہ کپڑے گرد وغبار سے اٹ گئے۔

اسی طرح کتاب یا مضمون کی تالیف کیلئے جن کتابوں کی ضرورت پڑتی تھی ،انکا بقدر ضرورت مطالعہ کرنے کا معمول تھا،اور باطل نظریات وافکار کی تردید میں کچھ لکھتے وقت شروع سے اس بات کا اہتمام اور التزام کیا کہ جس پر کوئی تنقید کرنی ہو اسکی بات خود اس کی تحریر وتقریر سے پورے سیاق وسباق کے ساتھ سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس پر تنقید کی جائے۔چنانچہ جب عیسائیت پر کام کیا تو جو کتابیں عیسائیت کی تردید میں لکھی گئی ہیں ،اُن سے زیادہ ان کتابوں کا مطالعہ کیا جو خود عیسائی علماء نے اپنی مذہب کی تائید ونصرت میں لکھیں،تاکہ جو تنقید یا تردید ہو ان کی مسلّم باتوں کی بنیاد پر ہو،اور کوئی ایسی بات انکی طرف منسوب نہ کی جائے انکے اپنے اعتراف کے بغیر ہو۔اسی طرح جب مرزائیوں کے بارے میں لکھنے کی نوبت آئی تو انکی تردید میں لکھی ہوئی کتابوں سے زیادہ خود انکی کتابوں کو پورے سیاق وسباق کے ساتھ دیکھ کر اور انکا مفہوم پورے اطمینان واعتماد کیساتھ سمجھ کر ان پر تبصرہ کیا۔یہی عمل تجدّد پسندوں کے افکار ونظریات سے متعلق بھی پیش نظر رہا۔

جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کن کتابوں اور مصنفین نے سب سے زیادہ متأثر کیا تو تأثر کے اعتبار سے کتابوں اور مصنفین کی ایک طویل فہرست ذہن میں آجاتی ہے،جس کی بارے میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کس کو کس پر ترجیح جائے..... ز فرق تا بقدم ، ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست

لیکن خالص اور نظریاتی مقاصد سے ہٹ کر صرف اپنی اصلاح اور عملی زندگی کے اثرات کے نقطہ نظر سے اپنی محسن کتابوں کے بارے میں سوال کیا جائے تو میرا ایک ہی جواب ہوگا،اور وہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے مواعظ کا ذخیرہ ہے۔ابتدائی مطالعے کے دور میں حضرت کی تالیفات اور مواعظ وملفوظات اپنی فہم وادراک کی پہنچ سے بالاتر بھی معلوم ہوتے تھے،اسلئے انہیں دلچسپی کے

ساتھ پڑھنے کے مواقع کم آئے ،لیکن حضرت والد ماجدؒ اور اپنے شیخ حضرت عارفی قدس سرہ کی ہدایت پر روزانہ معمول کے طور پر جب مواعظ کا مطالعہ شروع کیا تو رفتہ رفتہ اُن میں دلچسپی اس قدر بڑھی کہ شروع کرنے کے بعد کسی حد پر رُکنا طبعیت پر بار ہونے لگا۔اندازہ ہوا کہ ان مواعظ میں علوم و معارف کا ایسا دریا موجزن ہے جسکا کوئی کنارہ نہیں،خاص طور دین کی صحیح سمجھ،اسکی حدود کی پہچان اور نفس انسانی کی معرفت اور اس کو اصلاح کی راستے پر لگانے کی جو تدبیریں اُن میں نظر آئیں ،وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔اپنی عملی اصلاح سے تو اب بھی اپنی نا اہلی کی وجہ سے محروم ہوں،لیکن دین کا راستہ ان مواعظ کی بدولت الحمد للہ ذہن میں اتنا صاف اور متحج ہوگیا کہ اس میں کوئی شک باقی نہ رہا۔

مغربی افکار کے غلبہ سے جو گمراہیاں اور غلط فہمیاں ہمارے دور میں پیدا ہوئیں ان کے بارے میں میں نے اپنے زمانے کے مشہور اہل قلم کی تحریریں بڑی حد تک پڑھی ہیں،اور ان سے استفادہ بھی کیا ہے۔ان میں سے کسی کوشش کی بھی ناقدری نہیں کی جاسکتی ہے،لیکن ان گمراہیوں اور غلط فہمیوں کی جو اصل بنیاد ہے اس پر جتنا جامع تبصرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب "الانتباهات المفيدة" اور اسکی شرح " حل الانتباهات" میں موجود ہے ،شائد اسکا کوئی ثانی ہی نہیں۔اسی لئے میں نے جناب پروفیسر محمد حسن عسکری صاحب مرحوم سے فرمائش کر کے اس کا انگریزی ترجمہ کروایا،نیز اپنے ایک رفیق مولانا نورالبشر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ سے اسکا عربی ترجمہ کرا کے شائع کیا۔

جب سے تدریس اور تصنیف و تالیف میں اشتغال بڑھا ہے شوقیہ مطالعے کے مواقع بہت کم ملتے ہیں،اور بہت سی کتابیں اس انتظار میں بھی رکھی رہتی ہیں کہ ذرا مہلت ملے تو ان سے استفادہ کرسکوں ،لیکن مصروفیت اور اسفار کے ہنگاموں میں بھی کچھ نہ کچھ وقت اپنے شوق کے تسکین کے لئے نکال لیتا ہوں،چاہے وہ سرسری انداز میں ہی ہوں ،لیکن یہ اپنی جگہ حقیقت ہے کہ نرا مطالعہ انسان کی زندگی پر اتنا اثر انداز نہیں ہوتا جتنا اثر کسی شخصیت کی صحبت اور مطالعے سے معلومات میں اضافہ تو ہوجاتا ہے لیکن صحیح فہم ،اعتدالِ مزاج اور اصلاحِ نفس شخصیات کی صحبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

؎ نہ کتابوں سے نہ کالج سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ان چند بے ربط سی باتوں پر اپنی گزارشات ختم کردیتا ہوں۔اگر ان سے آپکا مقصد پورا نہ ہوتا ہو،تو بندہ کی کم فہمی پر محمول فرما کر ان کو ضائع فرمادیں،بندہ کو ان کو اشاعت نہ ہونے کی کوئی شکایت نہ ہوگی۔

فقط والسلام

بندہ محمد تقی عثمانی ۱/۴/۱۴۳۶ھ